رشتے کا اِنتخاب

مولانا اشرف علی تھانوی ؒ

مولانا ؒ کے ملفوظات پر مشتمل حکیم محمود احمد ظفر کے مرتبہ مضمون مطبوعہ الحسن لاہور سے ماخوذ۔

زوجین کی خوشحالی اور خوشگوار زندگی کی ضمانت محبت و مودت ہے۔ محبت و مودت کا انحصار کسی مادی شے پر نہیں کیوں کہ تمام مادی اشیا ناپائے دار اور غیر مستقل ہیں۔ان پر منحصر محبت بھی ناپائے دار ہوگی۔ مثال کے طور پر کوئی بیوی اگر مال کی وجہ سے اپنے میاں سے محبت کرتی ہے تو میاں کے پاس جب مال نہیں رہے گا' محبت ختم ہو جائے گی۔ لہٰذا صحیح محبت و مودت کا انحصار پائے دار اور مستقل چیز پر ہونا چاہیے تاکہ محبت پائے دار اور اٹوٹ رہے۔ وہ پائے دار شے کیا ہے؟

"اور یہ یقینی بات ہے کہ توادد (باہمی محبت) میں جس قدر دخل دین کو ہے اتنا کسی چیز کو نہیں۔ سب علائق (تعلقات) قطع ہو جاتے ہیں' بجز دین کے۔ (اصلاح انقلاب امت' ج ۲' ص ۷ ۳)۔

جن لوگوں نے دین کو چھوڑکر دوسری ناپائے دار مادی اشیا سے محبت کا رشتہ استوار کیا ہے' ان کی ازدواجی زندگی اکثر و بیشتر تنازعات کا شکار رہتی ہے:

"اس زمانے میں منکوحہ میں زیادہ تر جمال کو' ناکح (نکاح کرنے والے) میں زیادہ تر مال کو' دیکھتے ہیں' اور سب سے کم دین کو دیکھتے ہیں' اور باقی اوصاف میں آرا مختلف ہیں۔ حالانکہ ناقابل التفات یہی مال و جمال ہے اور سب سے زیادہ قابل التفات دین ہی ہے۔ اسی واسطے حدیث ؐ میں کہا گیا ہے: عورت سے چار وجہ سے نکاح کیا جاتا ہے: شرافت کی وجہ سے' مال کی وجہ سے' خوب صورتی کی وجہ سے اور دین داری کی وجہ سے۔ تجھ کو دین دار عورت سے نکاح کرنا چاہیے...... مرد کے باب میں کہا گیا ہے: اگر تمھارے پاس ایسا شخص آئے جس کے اخلاق اور دین داری کو تم پسند کرتے ہو تو تم اپنی لڑکی کا نکاح اس سے کر دو' ورنہ زمین میں فتنہ اور بڑا فساد پھیلے گا۔ اس میں مال و جمال پر نظر نہ کرنے کا اور دین پر نظر کرنے کا امر فرمایا ہے"۔ فتنہ اور بڑا فساد پھیلنے کی جو حدیث میں پیش گوئی فرمائی گئی ہے' وہ اس لیے کہ مال و جمال ناپائے دار اور فنا ہو جانے والی چیزیں ہیں۔ لہٰذا ان

پر منحصر محبت و مودت بھی ناپائے دار اور فانی ہوگی۔اس سے تعلقات بگڑیں گے اور فسا د پھیلے گا۔

"مال و جمال کی عمر تو بہت ہی کم ہے۔ مال ایک شب میں بے وفائی کر جاتا ہے اور جمال ایک بیماری میں ختم ہو جاتا ہے۔اور بعض امراض میں پھر واپس ہی نہیں آتا، جیسے آنکھ پھوٹ جائے یا چیچک نکل آئے اور داغ نہ جائیں، یا سر کے بال گر جائیں" (ایضاً)۔ جب مقصود مال و جمال تھا اور وہ رخصت بلاعوض ہو گیا تو تمام تر محبت و الفت بھی جو اس پر مبنی تھی وہ بھی ختم ہوئی۔اور پھر زوجین ایک دوسرے کی نظر میں مبغوض ہو گئے اور نباہ ہمیشہ کے لیے مشکل ہو گیا۔بعض اوقات باقی رہا، تب بھی جہاں دین نہیں، وہاں دیکھا ہے کہ مال و جمال بقائے محبت کے لیے کافی نہیں۔کیوں کہ جہاں دین نہیں--- اور ظاہر ہے کہ بے دین آدمی کے نہ اخلاق درست ہوتے ہیں نہ اعمال و معاملات---- وہاں بداخلاقی، بدمعاملگی، بداعمالی، حقوق ضائع کرنا، خودپرستی اور خودغرضی سب کچھ ہوگا، جس سے نفرت کے اسباب فراہم ہوں گے۔جب شب و روز ایسے اسباب برابر واقع ہوتے رہیں گے تو کہاں تک ان میں محبت رہ سکتی ہے پس باہم کدورت و نااتفاقی اور غیظ و طیش پیدا ہونا شروع ہوگا۔حتیٰ کہ تمام مصالح زوجیت ضائع ہو جائیں گے۔ہم نے خود دیکھا ہے، بی بی حسن و جمال میں حور کا بچہ اور شوہر مال و منال میں قارون کے فرزند، مگر اکثر میاں کی بے دینی سے اور کہیں بی بی کی بدخلقی و بدمزاجی یا بدچلنی کے سبب میاں بیوی میں بول چال تک نہیں۔وہ اس کو دیکھ کر منہ پھیر لے، یہ اس کو دیکھ کر ناک بھویں چڑھائے۔یہ دوسری جگہ روٹی پکواتے پھریں، وہ باوجود مال ہونے کے الگ ایک ایک پیسہ کو ترسے۔بعض جگہ تو ہم نے دیکھا ہے کہ بی بی غایت نفرت کے سبب میاں سے پردہ کرتی ہے۔یہ ہیں مال و جمال ہونے کے بے دینی کے ثمرات۔پس اس کو مقصود سمجھنا ہی حماقت ہے" (ایضاً، ص ۳۸)۔

شبہ ہو سکتا ہے کہ کیا صرف دین داری ہی تلاش کی جائے یا یہ بھی دیکھا جائے کہ میاں کچھ کماتا بھی ہے یا نہیں۔بعض دفعہ نہیں بلکہ اکثر دفعہ نکھٹو ہونا بھی نفرت کا سبب بن جاتا ہے۔ہونے والے شوہر میں تین باتیں دیکھ لینا چاہییں:

"ایک قوت الاکتساب (کمانے کی قوت)، دوسرے کفایات (برابری) زیادہ تفاوت نہیں، تیسرے دین داری۔ان دونوں صورتوں میں زیادہ کاوش چھوڑ دے، ورنہ وہی بات پیش آوے گی جس کا ذکر حدیث میں ہے کہ جب خلق و دین میں کفات ہو تو نکاح کر دیا کرو ورنہ زمین میں فساد کبیر ہوگا۔(ایضاً، ص ۳۰-۳۱)۔

"ان معاملات پر اس طرح غور کیا جائے تو بات صحیح طریقہ سے ذہن میں بیٹھ جاتی ہے۔ایک یہ کہ جن صفات کو جس درجہ میں تم دوسروں میں ڈھونڈتے ہو، تم کو جس شخص نے لڑکی دی تھی جس

کی بدولت آج اپنی لڑکی کے باپ بن کر یہ جولانیاں دکھا رہے ہیں، کیا اس شخص نے بھی تمہارے لیے ایسی ہی تفتیش و کاوش کی تھی؟ دوسرے یہ کہ جب تم اپنی دختر کے لیے ان صفات کا شوہر تلاش کرتے ہو، انصاف کرو کہ تم نے جب اپنے فرزند کے لیے کسی کو لڑکی کی درخواست کی تھی، یا کرنے کا خیال ہی کیا، اپنے صاحبزادے میں بھی یہ صفات اسی درجہ کی دیکھ لی ہیں یا دیکھنے کا ارادہ ہے۔ تیسرے یہ کہ جس طرح لڑکوں میں بے شمار خوبیاں ڈھونڈی جاتی ہیں اگر دوسرا شخص تمھاری لڑکیوں میں اس کا دسواں حصہ خوبیاں اور ہنر بھی دیکھنے لگے تو میں یقین کرتا ہوں کہ تمام عمر ایک لڑکی بھی بیاہی نہ جائے" (ایضاً، ص ۲۱)۔

[عائلی زندگی کی ناخوشگواری کا ایک سبب یہ ہے کہ لوگ] لڑکی کے مال کو دیکھتے ہیں۔ درحقیقت یہ اس سے بھی بدتر ہے کہ لڑکی یا اس کے اولیا، مرد کے مال کو دیکھیں، کیوں کہ یہ تو کسی درجہ میں، اگر اس میں غلو نہ ہو، امر معقول ہے، کیوں کہ مرد پر عورت کا نفقہ و مہر واجب ہوتا ہے تو اس پر استطاعت رکھنے کو دیکھنا مضائقہ نہیں، بلکہ ایک قسم کی ضروری مصلحت ہے۔ البتہ اس میں ایک قسم کا غلو کہ اس کو اور ضروری اوصاف پر ترجیح دی جائے، مذموم ہے۔ لیکن عورت کے مال دار ہونے پر نظر کرنا محض اس غرض سے کہ ہم اس سے فائدہ اٹھائیں یا ہم پر اخراجات وغیرہ کا بار کم پڑے گا، بڑی بے غیرتی اور بے حمیتی ہے...... اس کے علاوہ تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ مال دار عورت نادار مرد کو کبھی خاطر میں نہیں لاتی۔ اس کو حقیر اور خادم سمجھتی ہے اور لڑکے کے والدین کا اس پر نظر کرنا کہ ایسی بہو کو بیاہ کر لائیں کہ جہیز بہت سا لائے اور بھی حماقت ہے ــــ اول تو وہ جہیز بہو کی ملکیت ہے، کسی کو اس سے کیا۔ لیکن اگر یہ بھی سمجھا جائے کہ گھر میں رہے گا تو ہمارے بھی کام آئے گا، اول تو وہی بے حمیتی، دوسرے اگر اس کو گوارا بھی کر لیا جائے تو اس خیال کی لڑکے کو تو کسی درجہ میں گنجائش ہے مگر ساس سسر کو کیا واسطہ۔ آج صاحبزادہ صاحب اپنی رائے سے، یا بیوی کے کہنے سے، جدا ہو جائیں، بس ساری امیدوں پر پانی پھر جائے" (ایضاً)۔

"البتہ لڑکی کے زیادہ مفلس نہ ہونے پر، ایک مصلحت کی خاطر اور ایک مضرت کے دفع کرنے کے لیے نظر کی جائے تو وہ نازیبا نہیں بلکہ مناسب ہے۔ منفعت تو یہی ہے کہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ مفلس محض میں دو امر کی کمی ہوتی ہے۔ ایک سلیقہ کی، دوسری سیرچشمی کی۔ پس سلیقہ کی کمی سے اس میں خدمت کی لیاقت نہیں ہوتی اور اس سے کلفت ہوتی ہے۔ اور سیرچشمی کی کمی سے بعض اوقات ضروری خرچوں میں تنگی کرتی ہے، جس سے بعض اہل حقوق کے حقوق بھی ضائع ہوتے ہیں اور بعض مقامات پر شرمندگی بھی ہوتی ہے ــــ بعض کو دیکھا گیا ہے کہ دفعتاً" مال و دولت کو دیکھ کر آنکھیں پھٹ جاتی ہیں، اور سلیقہ ہوتا نہیں۔ بس بے تمیزی سے اس کو اڑانا شروع کر دیتی ہے۔ چنانچہ اکثر تو

دولتوں کو یا بخل کی بلا میں مبتلا پایا' یا اسراف کی۔ ان میں اعتدال کم ہوتا ہے' اکثر دیکھا گیا ہے کہ خاوند کے گھر سے اس کو محبت نہیں ہوتی۔ گھر میں بے حد بے برکتی ہوتی ہے۔ مرد کماتا کماتا تھک جائے مگر وہ اڑانے سے نہیں تھکتی۔ اس لیے مناسب یہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے اپنے برابر والوں میں نکاح کا تعلق کرے (ایضاً' جلد ۲' ص ۴۲۔ ۴۳)۔

آج کل جہیز کی زیادتی کا جنون ہر لڑکے کے ذہن پر سوار ہے بلکہ اس سے زیادہ اس کے اولیا پر سوار ہے۔ مختلف قسم کی دوسری فرمائشیں لڑکی والوں سے لڑکے والوں کا روز مرہ کا معمول بن چکا ہے۔ اس وجہ سے کئی غریب گھروں کی بچیاں جہیز نہ ہونے کے سبب اپنے والدین کے ہاں بوڑھی ہو گئی ہیں اور ہو رہی ہیں۔ یہ طمع اور حرص کی ایک بد ترین قسم ہے۔

اسی مرد کی دینی اور اخلاقی حالت اچھی ہو اور خدا کا خوف اس کے دل میں موجود ہو تو یقین کیجیے کہ وہ خانگی جھگڑے پیدا ہی نہیں ہوتے جو آج کل ہمارے معاشرے میں بے دینی' بد عملی اور حرص کی وجہ سے کثرت سے پیدا ہو رہے ہیں۔ اس وجہ سے نکاح سے قبل مرد کے عقیدہ و عمل کی چھان بین کر لینی چاہیے۔

"بعضے لوگ محض طمع مال یا جاہ میں یا اولاد [کا بہت خیال نہ کرنے کے رویے کی وجہ سے] یا دیگر خاندانی مصالح موہومہ کے سبب اپنی لڑکیوں کا کسی بد عقیدہ یا بد عمل مرد سے نکاح کر دیتے ہیں۔ اگر وہ بد اعتقادی حد کفر تک پہنچی ہوتی ہے تو عمر بھر کے لیے علاوہ ظاہری کلفت' بحالت عدم توافق فی الدین لازم ہے۔ اور اگر حد کفر تک نہ بھی پہنچے تب بھی ہر وقت کا سوہان روح رہتا ہے" (ایضاً' ص ۱۴)۔

"مرد کی بے دینی تین طرح کی ہے: ایک اعتقادی اصولی' دوسری اعتقادی فروعی' تیسری اعتقادی عملی"۔

پہلی قسم کی مثال حضرت تھانویؒ نے یہ دی ہے کہ جیسے عورت مسلمان ہو اور مرد غیر مسلم' خواہ کتابی ہو یا غیر کتابی' ان کا نکاح درست نہیں۔ لیکن اگر مرد مسلمان ہو اور عورت غیر مسلم تو اس کی دو صورتیں ہیں: پہلی صورت یہ کہ عورت کتابی ہے یا غیر کتابی۔ اگر عورت غیر کتابی ہے' مثلاً ہندو یا سکھ' تو اس کا نکاح مسلمان مرد کے ساتھ جائز نہیں۔ لیکن اگر عورت کتابی ہے تو اگرچہ نکاح اس کا جائز ہے' لیکن مناسب نہیں۔ اور اس اختلاط سے پھر بہت سی خرابیاں جنم لیتی ہیں۔ جن کے اثرات بعد میں اولاد پر پڑتے ہیں۔۔ کیوں کہ ماں کا اثر ہر لحاظ سے اولاد پر باپ کی نسبت زیادہ ہوتا ہے۔

"بعضے لوگ بلاد یورپ سے ایسی عورت نکاح کر کے لاتے ہیں جو صرف قوم کے اعتبار سے عیسائی ہوتی ہے اور مذہب کے اعتبار سے محض لامذہب' سو سمجھ لینا چاہیے کہ ایسی عورت سے ہرگز

نکاح صحیح نہیں ہوتا۔ بعضے گو، لاتے ہیں عیسائی ہی عورت، مگر اس سے اس قدر مغلوب ہو جاتے ہیں کہ رفتہ رفتہ اپنے مذہب سے محض اجنبی ہو جاتے ہیں اور اس کا احتراز کا لازم ہونا بھی ظاہر ہے'' (ص ۱۱۴)۔

تیسری قسم یہ ہے کہ مرد فاسق و فاجر ہو اور عورت نیک و صالحہ۔ اس کا حکم یہ ہے کہ ''فاسق مرد، عورت صالحہ کا کفو نہیں''۔

یہ تو دینی کفات کا بیان ہے۔ اسلام میں نسبی کفات کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے، تاکہ نکاح کے بعد زوجین کے تعلقات میں کوئی خرابی واقع نہ ہو۔ اس سلسلہ میں عام طور پر دو کوتاہیاں کی جاتی ہیں: ایک افراطی، اور دوسری تفریطی۔ افراطی کوتاہی یہ ہے کہ نکاح کرنے والے مرد کی کسی وصف اور خوبی کو نظر میں نہ رکھا جائے۔ نہ لیاقت کو نہ دین وصحت اور نہ عمر اور وسعت مالیہ کو مرد اپنے خاندان اور اپنی برادری کا ہو، یہ بالکل لغو بات ہے۔ کیوں کہ نکاح سے مصالح خاصہ مقصود ہوتے ہیں۔ جس کے لیے کئی باتوں کو نگاہ میں رکھنا ضروری ہوتا ہے نہ کہ صرف آباو اجداد کی طرف انتساب کو۔ اس سے بہت سی خرابیاں جنم لیتی ہیں جیسے بعض دفعہ مرد نالائق، بے دین یا مریض اور بیکار، یا بہت بوڑھا یا بالکل بچہ یا مالی لحاظ سے کمزور ہوتا ہے اور عورت کے لیے عمر بھر کا جیل خانہ یا پھانسی کا پھندا بن جاتا ہے۔

اسی طرح تفریطی کوتاہی بھی مفاسد کے لحاظ سے اس سے کم نہیں ہے۔ اس جدید دور میں بعض جدید تعلیم یافتہ لوگ یا حب دین یا حب دنیا سے مغلوب حضرات دوسری خوبیوں کے ہوتے ہوئے نسب کا ذرا بھی خیال نہیں رکھتے۔ ایسے نکاح میں بھی بہت سی خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں جن سے بعض دفعہ نوبت طلاق تک پہنچ جاتی ہے۔ اور دو خاندانوں میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دشمنی اور عداوت پیدا ہو جاتی ہے۔ اگرچہ ایسے مرد اور عورت کا نکاح تو شرعی طور پر ہو جاتا ہے، لیکن اکثر ایسا ہوتا ہے کہ عورت کی نظر میں خاوند کی کوئی وقعت نہیں ہوتی جس سے نکاح کی تمام مصلحتیں فوت ہو جاتی ہیں۔

اسلام نے اس بات کو بھی نہایت ضروری قرار دیا ہے کہ نکاح کرنے سے قبل زوجین سے ان کی مرضی معلوم کر لینی چاہیے، تاکہ نکاح کے بعد کی زندگی تلخیوں کی آماجگاہ نہ بن جائے۔ ''نکاح سے قبل خاص طور پر لڑکے اور لڑکی کی رائے دریافت کی جائے جس کا اچھا طریقہ یہ ہے کہ جن سے وہ بے تکلف ہیں جیسے ہم عمر دوست اور سہیلیاں۔ ان کے ذریعہ سے، اس طور پر کہ ان کو یہ معلوم ہو کہ ہمارے بزرگ ہم سے دریافت کر رہے ہیں، ان کا مافی الضمیر معلوم کر لیا جائے اور تجربے کی بات ہے کہ اس طریقہ سے ان کے خیالات ضرور معلوم ہو جاتے ہیں اور بعض دفعہ تو بے دریافت کیے وہ خود ہی ایسے بے تکلف دوستوں سے اپنی پسندیدگی اور ناپسندیدگی ظاہر کر دیتے ہیں۔ اور بڑوں تک وہ

خبریں پہنچ جاتی ہیں۔ مگر ظلم و ستم یہ ہے کہ پھر بھی بعض مہمل موہوم مصلحتوں کو پیش نظر رکھ کر ان کے اس خیال کی پروا نہیں کی جاتی اور ان کو زبردستی اس بلا میں پھنسا دیا جاتا ہے۔ بہت دفعہ ایسے ہوا ہے کہ ناپسندیدگی کی حالت میں نکاح کر دیا گیا۔ پھر شوہر صاحب نے عمر بھر اس منکوحہ کی خبر نہیں لی اور فہمائش پر صاف جواب دے دیا کہ میں نے تو اپنی رائے ظاہر کر دی تھی، جنھوں نے اس کے باوجود بھی یہ عقد کیا ہے، اخراجات کے وہ ذمہ دار ہیں۔ (ایضاً، ج ۲، ص ۳۴)۔

"اب بتلایئے اس مصیبت کا کیا علاج؟ ان بوسیدہ عقل بزرگوں کی تو مصلحت ہوئی اور غریب مظلوم تمام عمر کے لیے قید غیر میعادی میں گرفتار ہوئی۔ کہاں ہیں یہ فرسودہ عقل؟ اب آئیں اور اس مظلومہ کی کچھ مدد کریں، مگر مدد کیا کرتے۔ اول تو اس وقت تک مرکھپ بھی گئے اور زندہ بھی رہ گئے تو ڈھیٹ پن تو دیکھیے، یہ کہہ کر صاف الگ ہو گئے کہ صاحب کوئی کسی کی قسمت میں تو گھس کر نہیں نکلا۔ ہم کیا کریں اس کی قسمت! ہائے غضب۔ کیا غضب کا جواب ہے، جس سے وہ مظلومہ تو درکنار، غیر آدمی کے تن بدن میں 'بشرطیکہ تھوڑا منصف ہو' آگ لگ جاتی ہے"۔ (ایضاً، ص ۴۳، ۴۵)

کتنے اچھے انداز میں مولانا اشرف علی تھانوی نے اس بات کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے کہ نکاح سے قبل مرد اور عورت سے جہاں ان کا نکاح ہو رہا ہے، ان کی رضامندی بھی ضروری ہے۔ اور اگر رضامندی کے خلاف ان میں سے کسی کا نکاح کر دیا گیا اور نکاح کے بعد مرد یا عورت کو غیر رضامندی کی وجہ سے کوئی تکلیف ہوئی تو بزرگ اس کے ذمہ دار ہوں گے اور وہ یہ کہہ کر اپنی جان نہیں چھڑا سکتے کہ تقدیر میں یہی لکھا ہوا تھا۔ اب اگر کوئی مرد اور عورت نکاح سے قبل ان کی رضامندی نہیں لیتا تو اس میں دین کا کوئی نقص نہیں، بلکہ ان لوگوں کی خرابی ہے جو اسلام کی روح سے ناآشنائی کے سبب ایسا کرتے ہیں (اخذ و ترتیب: مسلم سجاد)۔